مستقبل کے فقہاء کیلئے تاریخ کے جھروکوں سے

# مشرق مغرب اور تہذیبوں کا مکالمہ

ڈاکٹر وحید عشرت، ڈپٹی ڈائریکٹر
اقبال اکیڈمی پاکستان، لاہور

ماضی پر نظر دوڑائیے تو آپ دیکھیں گے کہ مشرق اور مغرب دونوں فکری اور سیاسی دونوں سطحوں پر آپس میں متصادم چلے آرہے ہیں۔ مغرب نے اہل مشرق کو ان کے گرم موسموں کی وجہ سے سست، کاہل اور نکمے تصور کیا، کیونکہ شدید گرمی ان کے خیال میں انسانی، اعصاب کو شل کر دیتی ہے اور وہ کسی کام کے قابل نہیں رہتے۔ اسی طرح ابن خلدون نے اہل مغرب کو اجڈ سمجھا اور کہا کہ سرد اور یخ بستہ ہوائیں انسانی عصبیہ کو سست اور غیر متحرک کر دیتی ہیں۔ سردی کی وجہ سے دماغ سن ہو کر رہ جاتا ہے وہ حرکت میں حتی کہ خوراک کے حصول میں بھی دقت محسوس کرتا ہے۔ راستے دشوار ہو جاتے ہیں پانی جم جاتا ہے اور گھر سے نکلنا محال ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اہل مغرب کی پسماندگی کا سبب شدید سردی اور دھند اور کہر میں لپٹا ہوا موسم ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مشرق و مغرب کے دانشوروں کے موسمی حالات کے حوالے سے دونوں تجزیئے کسی حد تک درست ہیں۔ سخت سردی اور سخت گرمی کے موسم دونوں انسانی اعصاب پر بری طرح اثر انداز ہوتے ہیں اور وہی نتائج پیدا کرتے ہیں جو ان دانشوروں نے مرتب کئے مگر دونوں طرف کے ان عمرانی مفکرین نے موسموں کو تو دیکھا مگر انسانی عزم و استقلال کو نظر انداز کر دیا کہ اس کے سامنے موسموں کے اثرات لاکھ مہلک سہی مگر انسان نے اپنی ترقی اور فلاح میں ان کو سدراہ نہیں بننے دیا بلکہ کسی حد تک ان پر قابو پا کر مشرق اور مغرب میں عظیم تہذیبوں کو جنم دیا ہے۔ اب تو شدید موسمی اثرات بھی انسان کے کسی حد تک قابو میں آچکے ہیں اور دنیا انتہائی مختصر ہو کر انسانی مٹھی میں آگئی ہے۔ سیاسی طور پر بھی ماضی میں مشرق و مغرب ایک دوسرے سے متحارب رہے ہیں۔ اہل بابل نے اور ایران کی عظیم حکومتوں نے عراق شام اور ترکی کو تاراج کر کے ایشیائے کوچک اور یورپ کے مشرقی حصوں تک نفوذ حاصل کر لیا۔ اور ہخامنشی ایرانیوں نے تو یونان کے صدر مقام ایتھنز کو سکندر اعظم سے بھی قبل جلا دیا تھا جس کا بدلہ لینے کے لئے ہی سکندر اعظم ایران پر حملہ آور ہوا

اور اس نے تخت جمشید کو جلا دیا تھا۔ چنانچہ بابل، نینوا اور موصل کے علاقوں کے ریاضی دان، سائنسدان اور ماہر نجوم وفلکیات علم کے ان مراکز سے بھاگ کر ایشیائے کوچک میں جمع ہو گئے اور وہاں سے یونان اور دیگر مشرقی یورپ کے علاقوں میں چلے گئے۔ ایشیائے کوچک کے شہر ملیٹس کا باشندہ طالیس ملطی یا اس کے آباد واجداد بھی ایرانی حملوں کے بعد ایشیائے کوچک میں پناہ لینے والوں میں شامل تھے جسے دنیا کا پہلا فلسفی اور سائنس دان ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ جملہ معترضہ کے طور پر ہی سہی مگر ہم یہاں عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یونان میں جو ایشیائے کوچک کے قریب ترین ہے وہاں فکری روئیدگی کا سبب بھی بابل ونینوا کے علاقوں سے بھاگے ہوئے دانشوروں کی سرگرمیاں تھیں انہی کے اثرات سے وہاں وہ تہذیب پیدا ہوئی جس نے یونان اور اٹلی میں بڑے دماغوں اور سیاسی نظاموں کو جنم دیا۔ جس میں فیثا غورث، سقراط، افلاطون اور ارسطو پیدا ہوئے اور جونہی وہ کھیپ ختم ہوئی تو یونان براعظم یورپ کے طرح تاریکی میں اعظم جو اس یونانی عروج تھا اس نے کو اپنے پاؤں تلے مشرق پر پہلی بڑی کی اور مغرب ومشرق

> پاکستان نے اپنے افغان بھائیوں، عرب ممالک اور امریکی امداد اور اسلحہ سے روس کی تمام عسکری قوت کے باوجود اسے اٹھا کر دریائے آمو کے پار پھینک دیا۔ روس ریزہ ریزہ ہو گیا دیوار برلن گر گئی..... یقیناً یہ اس صدی کا ایک بڑا واقعہ ہے.....

دوسرے ممالک کی ڈوب گیا۔ سکندر تہذیب کا سیاسی ایشیا کے ایک حصے روند کر مغرب کو سیاسی برتری عطا کے درمیان تصادم کی ایک بڑی روایت کو جنم دیا۔ اس کے کچھ دیر بعد قیصر روم نے شام، فلسطین، اردن اور مصر کو ختم کر کے اہل مشرق کی سائیکی میں مغرب سے تصادم اور اس پر غلبہ کی خواہش کو جنم دیا۔ یہی خواہش اہل مشرق میں خفتہ رہی اور جب اسلام نے قیصر وکسری کے علاقوں پر غلبہ حاصل کیا اور وہ افریقہ کے شمالی علاقوں سے اور یورپ کے دروازے قسطنطنیہ پر فتح یاب ہوا تو اہل یورپ نے مزاحمت کے لئے یورپ کے حکمرانوں کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا تا کہ عالم اسلام کی سیاسی، مذہبی اور تہذیبی یلغار کو روکا جا سکے مگر سپین کے راڈرک کی پیش رفت ان کے کسی کام نہ آ سکی اور اسلام کم وبیش ۹ سو سال تک اپنے پورے تہذیبی طمطراق کے ساتھ اندلس میں موجود رہا اس کے اثرات برطانیہ، فرانس، جرمن اور اٹلی اور صقلیہ تک مرتب ہوئے اور اسی طرح مشرقی یورپ میں بھی مسلمانوں کو فروغ ہوا۔ یورپ نے مسلمانوں کی

کمزور سیاسی قیادتوں سے فائدہ اٹھا کر شیر دل وور چرڈ کی قیادت میں صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع کیا جو واضح طور پر یورپ نے مذہبی اور مقدس لڑائی بنادی اگر چہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے یورپ کو شکست دی اور ان کی پیش قدمی روک دی مگر اس کے نتیجے میں رفتہ رفتہ سپین اور یورپ سے مسلمانوں کا تقریباً خاتمہ ہوگیا۔ مسلمانوں کے سیاسی، فوجی اور تہذیبی زوال اور یورپ کی سائنسی ترقی اور علوم وفنون میں برتری نے مشرق ومغرب میں پھر آویزش کو جنم دیا اور مسلمانوں کے علاقوں پر سائنس، ٹیکنالوجی اور فوجی برتری کی بنا پر یورپ نے قبضہ کرلیا اور عالم اسلام ان کی نو آبادیوں میں تبدیل ہوگیا۔ اگر یورپ نسل پرستی کے خبط میں اور عالم اسلام کو مدمقابل نہ پاکر ایک دوسرے کے مقبوضات کی چھینا جھپٹی میں مبتلا نہ ہوجاتا اور نٹشے کا اندھی قوتوں کا پروردہ سپرمین ہٹلر نمودار نہ ہوتا اور جرمنی اور اتحادیوں کے درمیان ٹکراؤ سے یورپ دو عظیم جنگوں سے تباہ نہ ہوتا تو یقیناً ابھی عالم اسلام کو آزادی نصیب نہ ہوتی اسلئے کہ جنگ سے افرادی، قوت اور اقتصادی لحاظ سے برباد مغرب اب زیادہ دیر یورپی نوآبادیاتی نظام قائم نہیں رکھ سکتا تھا۔ جرمنی کا فریڈرک اشپنگلر وہ پہلا بڑا مفکر ہے جس نے اس صورت حال کا اپنی مشہور کتاب ''زوال مغرب،، میں ادراک کیا کہ یورپ یعنی مغرب اب زوال کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ٹوئن بی نے بھی تاریخی شعور کے تناظر میں اس زوال کو دیکھ کر مختلف مذاہب کے مثبت اور نمایاں پہلوؤں کے اشتراک سے ایک عالمی تہذیب، عالمی معاشرہ اور عالمی مذہب اور عالمی ریاست کے تصورات کی طرف پیش قدمی کی جو بطور ایک نصب العین کے امریکہ اور مغرب کے مختلف ذہنوں اور اداروں کے سامنے موجود ہے۔ اس کو جدید اور تیز رفتار سائنسی ترقی نے اور مؤثر کردیا ہے جس کے ذریعے دنیا سکڑ کر اور زمینی حد بندیوں سے اوپر اٹھ کر مختصر ہوگئی ہے۔ ٹوئن بی کے اس فلسفے کی امریکہ اور یورپ میں پذیرائی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ سائنس وٹیکنالوجی اور علوم و فنون بالخصوص اسلحہ، ذرائع ابلاغ، رسل ورسائل اور کمپیوٹر میں ترقی کی بنا پر اسے جو برتری حاصل ہوئی ہے ٹوئن بی کے تصورات امریکہ اور مغرب کے پوری دنیا پر غلبہ بلکہ قبضہ میں معاون بنے ہیں۔ یورپ یعنی مغرب کو عالمی سماج، عالمی مذہب، عالمی فلسفے اور عالمی ریاست کے قیام کے سلسلے میں تین اطراف سے مزاحمت کا خدشہ تھا۔ ایک عسکری اور اسلحی قوت روس تھا جو مغرب کی نسل پرستی سے بغاوت کرکے اقتصادی پیمانے پر سرمایہ دار اور پرولتاریہ میں سماج کی تقسیم کا قائل تھا اور وہ سرمایہ کاری نظام کے برعکس اشتراکیت کے فلسفے پر ایک عدم طبقاتی سماج کی تخلیق چاہتا تھا۔ ایک متوازن اور مبنی

برانصاف سماج جس میں انسان کی فوز وفلاح بنیادی مقصد ہو، مارکس کے پیش نظر ہوتا تو یقیناً اسے کامیابی ہوتی مگر اس کے عدم طبقاتی سماج میں ریاست بھی ایک آلہ استحصال تھی اور عدم طبقاتی سماج کے قیام کے بعد ریاست کو تاریخ کے عجائب گھر میں رکھے جانے کی مارکس نے اپنے یوٹوپیا میں نوید سنائی تھی۔ مگر عملاً جب اشتراکیت روس میں نافذ ہوئی تو اس کی ریاست عسکریت کا ایک عفریت بن کر ظاہر ہوئی جس نے ایک طرف تو مشرقی یورپ کو روند ڈالا اور دوسری طرف وسط ایشیائی مسلم ریاستوں کو ہڑپ کرلیا اور جنوبی ایشیا کو پامال کرنے کے لئے جب افغانستان میں اکھاڑ پچھاڑ کی تو پاکستان نے اپنے افغان بھائیوں، عرب ممالک اور امریکی امداد اور اسلحہ سے اس کی تمام عسکری قوت کے باوجود اسے اٹھا کر دریائے آمو کے پار پھینک دیا۔ روس ریزہ ریزہ ہوگیا دیوار برلن گرگئی..... مشرقی اور مغربی جرمنی آپس میں مل گئے یورپی اتحادیوں کو کمزور کرکے ہٹلر نے جنوبی ایشیا کی آزادی کی راہ ہموار کرکے جو احسان کیا تھا وہ پاکستانیوں نے جرمنی کو اتحاد کا تحفہ دے کر اتار دیا اس روس کی بربادی کے نتیجے میں ہنگری آزاد ہوا جس کے دارالحکومت بوڈاپسٹ کی سڑکوں پر روسی ٹینکوں نے پچاس کی دہائی میں سینکڑوں نوجوانوں کو کچل دیا تھا۔ اور بوسنیا، کسووا، چیکوسلاویہ، یوگوسلاویہ آزاد ہوئے وہاں کی مسلم ریاستوں بوسنیا، کسووا اور روسی ریاست چیچنیا کو آزادی نصیب ہوئی اور اشتراکیت آج تاریخ کے عجائب گھر میں بجی اپنی بے چارگی کے آنسو بہا رہی ہے۔ دوسرا چیلنج مغرب کو چین سے ہوسکتا ہے مگر وہ بھی ایک اشتراکی ریاست تھا اور آبادی اور اسلحہ کے اعتبار سے مغرب کے ہم پلہ ہے، تاہم چین کے ثقافتی انقلاب کے بعد چین نے اشتراکیت کی کینچلی اتار کر پھینک دی ہے۔ اب وہاں مغربی ثقافت کا پھر سے چلن ہونے لگا ہے۔ اشتراکیت بھی بچی کھچی موجود ہے اور چین میں کنفیوشس ازم کا احیا بھی ہورہا ہے۔ سنکیانگ اور بعض دوسرے علاقوں میں روح مسلماں بھی بے قرار نظر آرہی ہے۔ چین نے گرچہ پاکستان کے توسط سے امریکہ سے دورہ ہنسری کسنجر کے بعد رابطہ کیا اور پاکستان کے توسط سے ہی وہ اسلامی دنیا سے بھی نپے تلے انداز میں روابط بڑھا رہا ہے تاہم چین دنیا کی ایک ارب آبادی کا وسیع سمندر ہے

> اقبال نے کیا خوب بات کہی کہ مسلمانوں نے اسلام کو کبھی نہیں بچایا بلکہ اسلام نے ہمیشہ مسلمانوں کو تحفظ، زندگی اور قوت بخشی ہے۔

وہ اپنی حدود میں متلاطم رہتا ہے کناروں سے اچھل کر بے کراں ہونا اس کی روایت نہیں تاہم روس کے بعد امریکہ کو چین سے بھی ایک بڑا خطرہ محسوس ہو رہا ہے بالخصوص اسے چین کے عالم اسلام اور عالم اسلام کی ایٹمی قوت پاکستان سے بڑھتے ہوئے روابط ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ امریکی تجزیہ نگار اس بات سے خوف زدہ ہیں کہ اگر عالم اسلام اور چین اتحادی بن گئے اور جو کھیل امریکہ نے پاکستان کے ذریعے افغانستان میں کھیل کر روس کو انجام تک پہنچایا ہے وہی اگر چین نے مسلمانوں کے ذریعے امریکہ اور یورپ میں شروع کر دیا تو مغرب تو دیکھتا ہی رہ جائے گا۔ تیسرا خطرہ مغرب کے لئے بھارت ہو سکتا تھا۔ آبادی زرخیزی اور رقبے کے لحاظ سے ایشیا کا ایک بڑا ملک ہے۔ امریکہ کی حکمت عملی مرتب کرنے والوں نے بھارت کی غلامی کی نفسیات سے پورا فائدہ اٹھایا اور اسے اپنا حلیف بنالیا۔ بھارت نے بھی اپنے مفعولی رویے کو اپنی ڈھال بنالیا اور مغرب اور امریکہ کو یقین دلا دیا کہ وہ یعنی بھارت امریکہ اور اہل مغرب کا غلام ہے اور وہ چین کے مقابلے میں اگر طاقت اور دانائی حاصل کر لے تو وہ چین کی توسیع پسندی بھی روک سکتا ہے اور ضرورت پڑنے پر امریکہ کے مفادات کا خطے میں تحفظ بھی کر سکتا ہے۔ بھارت نے اس مقصد کے لئے ۱۹۶۲ء میں لداخ میں سرحدی چھیڑ چھاڑ بھی کی مگر چین سے شکست جواہر لعل نہرو کی موت پر منتج ہوئی۔ بھارت نے اس شکست خوردگی کو مٹانے کے لئے ۶۵ء میں پاکستان پر حملہ کر دیا اور یہاں بھی شکست ہی مقدر بنی جسے معاہدہ تاشقند نے دھو ڈالا اور شکست خوردہ شاستری سیاسی فتح سے شادی مرگ کی نذر ہو گیا۔ بھارت کو نہ چین سے لڑنا ہے اور نہ لڑنا تھا وہ تو پرانے ہندو راجوں کی طرز پر اردگرد کی چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستوں پر چمٹنے کے لئے قوت حاصل کر رہا تھا اور یہی اس نے بھوٹان، سکم، جونا گڑھ، حیدر آباد اور کشمیر میں کیا۔ اور یہی رویہ اس نے پاکستان، بنگلہ دیش سری لنکا، سیلون اور دوسرے ممالک سے اپنا رکھا ہے۔ مغرب اور امریکہ کو ہندو کی عیاری کا تجربہ نہیں، انہیں اپنی قوت پر بھروسہ ہے پھر ہندو بھی ایک ایسی تہذیب ہے جو ہندوستان سے باہر کہیں نہیں۔ اس کی توسیع پسندی سے مغرب اور امریکہ کو کوئی خدشہ نہیں اور ہندومت کبھی بھی عیسائیت اور مغرب کے لئے خطرہ نہیں رہا۔ تاہم اب بھارت میں گرجا گھر جلائے جا رہے ہیں۔ اس کی مفعولیت مغرب کو ہمیشہ مرغوب رہی ہے۔ صرف ہندو کمزور کے لئے عفریت بنتا ہے۔ اسرائیل جو ایک یہودی ریاست ہے وہ اپنی تمام تر اقتصادی حیلہ گری کے باوصف عیسائیت اور مغرب کے لئے کبھی چیلنج نہیں بنا پھر دولت پرستی یہودی اور ہندو دونوں میں مشترک ہے۔ یہ وہ تمام صفات ہیں جن کی

بنا پر امریکہ اوراس کی اتحادی قوتیں اسرائیل اور بھارت پر ریجھی ہوئی ہیں حالانکہ امریکہ اوراس کے اتحادی نہیں جانتے کہ بھارت عالمی سطح پر امریکہ اورمغرب کے کسی بڑے بحران میں کام نہیں آسکتا۔ بھارت میں پندرہ کروڑ سے زائد مسلمان چھ کروڑ، عیسائی بیس کروڑ، اچھوت اور سکھ اور دوسری اقوام آباد ہیں۔ ہندو پچاس کروڑ سے زائد نہیں۔ ایک کثیر النسل ملک جس میں کوئی چیز مشترک نہیں نہ نسل، نہ زبان اور نہ مذہب وہ قوت کے بل پر متحد ہے روس کی طرح ذرا سی چوٹ پڑنے پر یہ کسی بھی وقت بکھر سکتا ہے۔اس کی بنیادیں بڑی کمزور ہیں۔اس میں ایک عظیم قوت بننے کے امکانات مفقود ہیں اگر ایٹمی قوت روس کو تباہی سے نہیں بچا سکی تو بھارت کو کون بچائے گا ذرا امریکہ اوراس کے اتحادیوں کی گرفت ڈھیلی ہوئی تو یہ تاش کے پتوں کی طرح بکھر جائے گا۔لہذا یہ مغرب اورامریکہ کے لئے کوئی حقیقی خطرہ نہیں۔ امریکہ کی یہ بھی بے وقوفی ہے کہ وہ دو ارب مسلمانوں کی قیمت پر پچاس کروڑ ہندوؤں سے محبت کی زیادہ پینگیں بڑھانے کو ترجیح دے رہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس سے مغرب کیا کمائی کرتا ہے۔ امریکہ اور اہل مغرب کے لئے صرف اور صرف اسلام اور مسلمان خطرہ ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے مغرب کی پیش گوئی کرتے ہوئے فریڈرک اشپنگلر نے مسلمانوں کو بھی خوف زدہ کرنے کی کوشش کی کہ جس طرح جسم نامی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں ہوسکتا اسی طرح ایک بار برباد ہونے والی تہذیب بھی دوبارہ زندہ نہیں ہوسکتی۔اس لئے کہ تہذیب بھی جسم نامی کی طرح ہے جو جنم لیتی ہے، جوان ہوتی کہولت کا شکار ہوتی اور پھر مرجاتی ہے۔اشپنگلر کے تہذیب وثقافت کو جسم نامی تصور کرنے کے پیچھے بھی ابن خلدون ہے جس نے انسانی عصبیہ پر یہ استخراجات کئے، ابن خلدون نے یہ ٹھوکر کیوں کھائی اس پر پھر کبھی بات ہوگی۔ تاہم تہذیب وثقافت کو جسم نامی تصور کرنا اشپنگلر کی بے تکی بات ہے اس کے لئے خود اس کے پاس دلائل نہیں اس نے تو ابن خلدون سے یہ نظریہ مستعار لیا ہے۔ یہ حماقت تو ہیگل کے ہاں بھی وارد ہوئی جس نے تاریخ کو نامی تصور کیا۔ بہرطور اقبال نے اشپنگلر کے اس نظریے کو اسلام کے حوالے سے قبول نہیں کیا کہ اسلامی ثقافت بھی ایک جسم نامی ہے جس پر بچپن جوانی

> **اگر عالم اسلام اور چین اتحادی بن گئے اور جو کھیل امریکہ نے پاکستان کے ذریعے افغانستان میں کھیل کر روس کو انجام تک پہنچایا ہے وہی اگر چین نے مسلمانوں کے ذریعے امریکہ اوریورپ میں شروع کردیا تو مغرب تو دیکھتا ہی رہ جائے گا۔**

اور بڑھاپا وارد ہوسکتا ہے اس لئے کہ اسلام حیات بعدالموت پر یقین رکھتا ہے۔ اقبال اگر ابن خلدون کے موقف کو بھی رد کرتے کہ تاریخ، تہذیب اور ثقافت پر یہ نامیت کارگر نہیں تو صورت حال ہی بدل جاتی وہ بنیاد ہی گر جاتی جس پر بیچارہ اشپنگلر ایک ٹانگ پر کھڑا ناچ رہا ہے۔ اسلام صرف ایک تہذیب اور ثقافت نہیں تہذیب اور ثقافت اسلام کی پیداوار ہے اسلام ایک دین ہے اور دین آدم سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک اور اس کے بعد مسلمانوں میں ایک زندہ قوت کی طرح رواں دواں ہے۔ اقبال نے کیا خوب بات کی کہ مسلمانوں نے اسلام کو کبھی نہیں بچایا بلکہ اسلام نے ہمیشہ مسلمانوں کو تحفظ، زندگی اور قوت بخشی ہے۔ اسلام کے بارے میں مغرب کے سارے شکوے اور اندازے غلط اور اٹکل پچو ہیں وہ مذہب کو یہودی نسلیت اور عیسائی پالی تثلیث کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، بیوقوف اشپنگلر کو اسلام پر مجوسیت کا جو غلاف نظر آتا ہے وہ اس کی اپنی عقل پر پڑا ہوا ہے۔ اسلام تو مجوسیت سے قبل بھی موجود تھا۔ اسلام پر مجوسیت عیسائیت اور یہودیت کے غلاف چڑھا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات کو مسخ کیا گیا۔ چلئے اس قصے کو چھوڑیئے۔ یہ اپنے محل پر پھر کبھی بیان کروں گا۔ کیونکہ بحث بہت لمبی ہوجائے گی اور مجھے فرتھجوف شوآن (شیخ عیسیٰ نور الدین) مارٹن لینگلو (ابوبکر سراج الدین) اور اس پورے خانوادے کے دین اور مذہب کے انتشارات فکر تک آنا ہوگا جو وحدت دین کی بجائے وحدت ادیان کے شغل بے معنی میں گزشتہ پچاس سالوں سے جان کھپا رہے ہیں۔ اور تمام مذاہب اور تہذیبوں کو روایت کے ہمام دستے میں ڈال کر مسلسل کوٹ رہے ہیں کہ شاید کوئی ایسی معجون تیار ہوجائے جو وہ اکیسویں صدی میں بیسویں صدی کے دہشت زدہ انسان کو چٹا کر مغربی بالادستی کا نیا اکھاڑہ جما سکیں۔ ہمارے یہ نومسلم بھائی اگر لارنس آف عریبا نہیں ہیں تو انہیں جان لینا چاہیے کہ چغے، عمامے اور محض ڈاڑھی میں اسلام نہیں ہے۔ انہیں دین میں صحیح طریقے سے پورے پورے داخل ہونا چاہیے اور مغربیت کے تمام بتوں کو اپنی آستینوں سے گرا کر رود بار انگلستان میں ڈبو دینا چاہیے۔ مغرب کے وہ جدید دانشور جن میں کئی نام شامل ہیں اور جو روس کی جدید ترین ایٹمی عسکریت کی ایٹمی اسلحے سے نہتے افغانوں اور پاکستانیوں کے ہاتھ پٹائی اور تباہی کا بیسویں صدی کے آخر میں نظارہ کر چکے ہیں۔ اکیسویں صدی میں داخل ہوتے ہوئے ان کی ٹانگیں کانپ رہی ہیں۔ رچرڈ نکسن، ہنری کسنجر، برنارڈ لیوس، جان لے سپو، ہنٹنگٹن اور فرانسس فوکو یاما کی تمام تر دانشوری اس شعبدے سے امید لگائے ہوئے ہے کہ وہ مسلمانوں کو ذہنی شکست خوردگی

کے احساس میں جکڑ دے اور سائنس، ٹیکنالوجی، ذرائع ابلاغ، مواصلات اور کمپیوٹر سے مسلح امریکہ اور مغرب عالم اسلام پر پل پڑے، انہیں کچل ڈالے، اقتصادی طور پر اپاہج کرے اور ان کو الگ باندھ کر رکھے تاکہ یہ آپس میں مل کر مغرب کی عالمی بالادستی کا شیش محل اپنی کسی منجنیق سے پتھر پھینک کر چکنا چور نہ کردے، اسی لئے وائٹ ہاؤس پر کوئی معمولی سا کنکر بھی پھینکتا ہے تو وہ دہشت گرد بن کر امریکہ کو مطلوب ہو جاتا ہے اور اگر امریکہ عراق، افغانستان اور لیبیا میں بم گرائے، غنڈہ گردی کرے تو وہ اسے اپنا استحقاق سمجھتا ہے اس لئے کہ ابھی وائٹ ہاؤس کی دیواروں میں دراڑیں ڈالنے والے پالنوں میں اونگ رہے ہیں۔ یہ کسی کے محتاج نہ ہوں گے یہ اپنی قیادت خود پیدا کریں گے اور موجودہ دور کی منافقت کے سارے لبادے جلا کر انقلاب کا پرچم اٹھا کر نکلیں گے۔ تاریخ کا عمل نہ تو ہیگل کی تصوری جدلیت کا تابع ہے اور نہ مارکس کی مادی جدلیت کا اور نہ ابن خلدون اشپنگلر اور ٹوئن بی کی نامیاتی اصطلاحات تاریخ کے عمل کو جکڑ سکتی ہے۔ اور نہ تہذیبوں کا ٹکراؤ فرانسس فوکویاما کی رائے کے مطابق خیالات ونظریات کے تصادم سے ہوتا جس سے کہ تاریخ کی افزائش ہوتی ہے۔ فوکویاما نے اپنے اس نظریے میں کوئی نئی بات نہیں کی اس نے صرف ہیگل کی تصوری جدلیت کا ایک بھدا سا چربہ تیار کیا ہے اور ایسے ہی کمتر اور بودے تصورات پر مغرب نے صدیوں سے ایمان لا کر انسانیت کو تناؤ کی کیفیت میں مبتلا کر رکھا ہے اور مغرب بار بار مشرق سے لڑنے اور اس پر چڑھ دوڑنے اور اس کو فتح کرنے کے خبط میں مبتلا ہے۔ ابھی تک مغربی دانشور اس سفاکانہ جنگی بخار سے باہر نکلنے پر آمادہ ہی نہیں۔ وہ نئے حقائق کو دیکھنے کے قابل ہی نہیں ہوئے ان کی سوئی ابھی تک مشرق کو پچھاڑنے پر اٹکی ہوئی ہے۔ حالانکہ اگر وہ آگ سے کھیلنا نہ چھوڑیں گے تو وہ اس گمان میں نہ رہیں کہ خود جھلسنے سے بچ جائیں گے۔ انہیں اب نئے حقائق کا شعور حاصل کرنا چاہیے کہ نہ مغرب مشرق کا دشمن ہے اور نہ مشرق مغرب کا دشمن۔ یہ اب کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا۔ مغرب کا پسماندہ اور بیمار ذہن اور صلیبی جنگوں سے خوف زدہ نفسیاتی طور پر مریض اور اعصاب شکستہ انسان ابھی تک فطرت کا یہ اشارہ نہیں سمجھتا کہ مشرق اور مغرب الگ الگ نہیں بقول قرآن دونوں اللہ کے لئے ہیں دونوں جگہ کا انسان ایک ہے ایک ایسے آورش، ایک جیسی امنگیں، ایک جیسی تمنائیں اور آرزوئیں اپنے سینے میں آباد کئے ہوئے ہے۔ اسے مشرق و مغرب کے جنگجو اور جنگ کے طبل اور بتاشے بجانے والے غبی اور انسانیت دشمن دانشوروں جن کی مغرب میں اس وقت اکثریت ہے اور جو ذرائع ابلاغ اور پریس کے خنجروں سے لیس ہیں انسانیت

کے سب سے بڑے دشمن ہیں جوان میں افتراق ڈال کرانہیں آپس میں گتھم گتھا کرنے کے لئے منطقیں بگھارتے رہے ہیں۔انہیں اپنی ناک کی اونچائی سے انسان بہت چھوٹا نظر آتا ہے۔دوسرے وہ سیاہ بخت مغربی سیاسین ہیں جو بندروں کی طرح اچھل کود رہے ہیں ان کے ہاتھ میں ایٹمی ٹیکنالوجی کا استرا آ گیا ہے ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ انسانیت کے گلے پر چلا نہ دیں اس لئے کہ ایٹمی ماچس کی تیلی انسان کے ہاتھ میں ہے اورخرمن انسانیت کے مستقبل سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں کیونکہ اگر انہیں انسانیت کے مستقبل سے کوئی دلچسپی ہوتو وہ اپنے لئے اور مکارم اخلاق اوردوسروں کے لئے دوسرے مکارم اخلاق وضع نہ کریں کفر پر حکومتیں قائم رہ سکتی ہیں ظلم پر نہیں تاہم امریکہ اوراہل مغرب کی ساری سیاست ظلم پر تناور ہورہی ہے۔

## عالم اسلام:

عالم اسلام، برنارڈلیوس کو۲۱ویں صدی میں اس لئے مدمقابل نظر آتا ہے کہ عالم اسلام کی چندھیائی ہوئی آنکھوں کی میل کچیل خود مغرب اتار رہا ہے۔جس طرح یہ کہاوت ہے کہ مسلمانوں نے مار مار کر مہذب بنایا اسی طرح یہ بھی کہاوت بننے والی ہے کہ امریکہ اوریورپ مسلمانوں کو مار مار کر اپنے خلاف متحد ہونے پر مجبور کردیں گے۔روسی عسکریت کے ساتھ افغانوں اور پاکستانیوں کے ٹکراؤ اور روسی ریچھ کی الٹے پاؤں دوڑ سے مغرب میں یہ احساس ابھرا ہے کہ مسلمان ابھی زندہ ہے اوروقت نے اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑا۔ذرا سی وقت نے راکھ اڑادی تو نور توحید سے دہکتا ہوں یہ سرخ انگارا اور تپش دینے لگے گا غفلت کی راکھ میں دبی ہوئی آگ کو ایمان کی پھونکنی کی معمولی سی ہوا نے اور روشن کردیا ہے جہاد کے خلاف مغرب نے ہمیشہ سازشیں کہیں۔۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو غدر بتایا، اسباب بغاوت ہند کا رسالہ اور کاذب نبوت دونوں مسلمانوں کے اس جذبے کو سرد نہ کرسکیں۔مسلمانوں میں مہدویت، مجددیت امامت اور موعودیت کے نام پر مغرب نے جتنے بھی ذہنی غلام پیدا کئے وہ مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو سرد نہ کرسکے، بے تیغ مسلمان سپاہیوں نے لڑلڑ کر جہاد کے ذریعے ہر بار مغرب کی بساط الٹ پلٹ دی۔اوروہ ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی تصویر حیرت بن کررہ گیا ہے۔۲۱صدی میں مغرب خوف زدہ ہے کہ یہ نہتے مسلمان خوداس سے ایٹمی ہتھیاراور ٹیکنالوجی چھین کراس پر نہ پل پڑیں۔اور وہ سحر بے حجاب ہوجائے جو اقبال کی مجذوبانہ فراست نے دیکھی تھی۔ظلمت،کفراورظلم کی شب

مسلمانوں کے لہو سے گریزاں ہوجائے اور ۲۱ویں صدی میں دنیا ایک نئے خورشید کے جلووں سے ضیاء بار ہو اور جہاں توحید کے نعروں سے معمور ہوجائے۔ عالم اسلام اس وقت دنیا کی بہترین جغرافیائی حدود پر قابض ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ معلوم دنیا کے قلب میں واقع ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ مشرق اور مغرب دونوں کے راستے عالم اسلام سے گزرتے ہیں۔ عالم اسلام کی اسٹریٹجک پوزیشن، مشرق اور مغرب میں توازن قائم رکھنے میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ بھارت عالم اسلام کی اجازت اور مرضی کے بغیر یورپ سے روابط نہیں رکھ سکتا مسلمان اگر تھوک دیں تو اسرائیل اس میں ڈوب جائے اسرائیل عالم عرب کو ایٹم بموں سے ڈرا سکتا ہے مگر استعمال نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ اس پر ایک ایٹم بم گرادیا جائے تو وہ نابود ہو جائے۔ اسی طرح امریکہ اسرائیل کو اسٹیبلش کرنے کے لئے فلسطینیوں کی اشک شوئی چاہتا ہے کیونکہ پرامن بقائے باہمی سے ہی اسرائیل قائم رہ سکتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ نازیوں کی طرح فلسطینیوں کے ہاتھوں یہودیوں کا دوبارہ قتل عام ہو کیونکہ اسرائیل کے بعد یہودیوں کو اور کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ عالم اسلام کے پاس بہترین افرادی قوت ہے۔ بہترین دماغ ہیں۔ بہترین محنت کرنے والے ہاتھ ہیں۔ عالم اسلام کے پاس بہترین زمینی، آبی اور فضائی راستے ہیں۔ پانی تیل، سونا، گیس، معدنیات اور سب سے بڑھ کر زرخیز زمینیں ہیں جو ضرورت کا اناج پھل اور پھول اگا سکتیں ہیں۔ مادی لحاظ سے عالم اسلام کو قدرت نے بڑی فیاضی سے نوازا ہے۔ عالم اسلام ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ متعدد عوارض میں بھی گھرا ہوا ہے۔ اس کے وسائل پر خود اس کی اپنی دسترس نہیں عالم اسلام پر مغرب کا پس نوآبادیاتی نظام مسلط ہے۔ یہاں جو بادشاہتیں ہیں ان کی زندگی اور بقا کا دارومدار بھی خود مغرب پر ہے۔ وہ مغرب کی آکسیجن کے بغیر سانس نہیں لے سکتیں۔ وہ اپنے عوام میں اپنی جڑیں نہیں رکھتیں۔ وہ مغرب کے آکسیجن ٹینٹ میں زندہ ہیں۔ جہاں عالم اسلام میں آمریتیں ہیں وہ نہایت درجہ کرپٹ ہیں۔ عالم اسلام کی رگ تاک بھی پنجہ یہود و نصاریٰ میں ہے۔ اقوام متحدہ، سلامتی کونسل ورلڈ بینک، عالمی مالیاتی ادارے یہ تمام امریکی نجار کارندے ہیں۔ عالم اسلام کی دولت تیل زرعی اجناس اور معدنیات، امریکہ، برطانیہ، فرانس اور سوئٹزرلینڈ کے بنکوں میں پڑی ہے اور عالم اسلام ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر پھوٹی کوڑی بھی استعمال نہیں کرسکتا۔ ہماری اپنی دولت بھی ہمیں بھیک میں ملتی ہے۔ ایف سولہ طیاروں کی رقم کی واپسی اس کا ثبوت ہے۔ امریکہ جب چاہتا ہے عراق پر چڑھ دوڑتا ہے اور عالم اسلام گونگا بہرا ہو کر بیچارگی سے یہ تماشا دیکھتا رہتا ہے۔ کس سے کسی درماندہ

راہروں کی صدائے دردناک بھی احتجاج میں سنائی نہیں دیتی۔ عراق کے معصوم بچوں کی لاشیں اور عورتوں کی چیخیں بھی ہم دیکھنے اور سننے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ ہمیں زندہ رہنے کے لئے اذن بھی امریکہ دیتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہم امریکہ اور کفر کی طاقتوں سے خوف زدہ ہیں۔ جذبہ جہاد سے مسلمان عوام تو سرشار ہیں مگر مسلمان عوام پر مسلط قیادتیں بالکل بانجھ ہیں۔ ہماری جمہوریتیں بھی ہماری بے چارگی کا نوحہ ہیں۔ عالم اسلام جس دلیر، جری، زیرک اور جذبہ ایمانی سے سرشار قیادت کا خواہاں ہے وہ ہمیں ابھی تک نظر نہیں آرہی۔ بہترین جغرافیائی محل وقوع، بہترین افرادی قوت، بہترین معدنی دولت اور آبی اور زمینی وسائل رکھنے والا عالم اسلام جس کے پاس جذبہ جہاد بھی ہے اور بہترین کتاب حکمت قرآن بھی اور اپنے عہد کے عصری مسائل کے حل کی کلید اجتہاد بھی اس کے لئے کونسی راہ عمل ہے جس کو اپنا کر وہ نوع انسانی کو وہ قیادت فراہم کرسکتا ہے جس کے ہاتھوں میں اس کے لئے امن، ترقی اور خوشحالی کی بشارت ہو۔ یہ ہے وہ سوال جس کا جواب مجھے فراہم کرنا ہے۔ مگر پہلے یہ تجزیہ کرلیں کہ مسلمانوں نے اس کے لئے اب تک کیا راہ عمل اختیار کر رکھی ہے۔ خلافت راشدہ کے بعد جب اموی ملوکیت قائم ہوئی اور فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور اموی ملوکیت نے اپنے استحکام کے لئے خلفائے راشدین کا طریق چھوڑ کر نئے نئے سہارے تلاش کرنے شروع کردیئے اور عالم اسلام کو نت نئے مسائل سے سابقہ پڑا، تو ان حکمرانوں کی نظریں آہستہ آہستہ قرآن سے ہٹتی گئیں اور انہوں نے یہودی اور مسیحی علم کلام سے اپنے کاموں کے جواز فراہم کرنے شروع کردیئے تاکہ ان کے ظلم وتشدد، ملوکیت اور قرآن سے انحراف کے لئے دلائل میسر آسکیں۔ قرآن پر نہیں مسلمانوں نے خود پر پہلا ظلم قرآن سے انحراف کا کیا اور جبریہ، قدریہ، اشاعرہ اور معتزلہ کے مکاتب فکر وجود میں آئے جو اموی اور عباسی ملوکیت کے خلاف مسلم عوام کے جذبات کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے یہودی اور مسیحی علم کلام سے دلائل لاکر قرآن کی ان سے تطبیق کرنے لگے۔ یہودی علم کلام اور عیسائی کلام خود کیا تھا۔ وہ یونانی افکار کی موسوی اور عیسائی مذہب سے تطبیق سے عبارت تھا اور یہی مرض کہنہ اسلام اور مسلمانوں کو لاحق ہوگیا۔ قرآن کی حکمت ودانش کو یہودی اور عیسائی علم کلام کے تتبع میں یونانی افکار سے تطبیق دے کر مسلم علم کلام کا کاڑ کباڑا کٹھا ہونے لگا۔ یوں اسلام اپنے عروج کے زمانے میں ہی بغداد کے بیت الحکمت اور دوسرے اداروں کے ذریعے رجعت اختیار کرنے لگا۔ اور مسلمانوں میں قرآنی حکمت ودانش کے برعکس یونانی فکر ودانش اور تہذیب وثقافت کا ایک ترقی یافتہ ماڈل تیار ہوگیا

اور جو بقول اقبال اسلامی تہذیب وثقافت سے ہی ارتقایاب ہوکر جدید مغربی ثقافت میں ظاہر ہوا۔ اگر اسلامی تہذیب کو موجودہ یورپی یا مغربی ثقافت میں ہی ارتقایاب ہونا تھا اور یورپی تہذیب کو اسلامی تہذیب کی ہی ترقی یافتہ صورت بننا تھا۔ تو پھر اسلامی تہذیب کی کیا ضرورت تھی۔ کیا محض ایک تاریخی تسلسل کا ہی مرحلہ تھی۔ کیا یہی تمدن جو آج انسانیت کا سب سے بڑا دشمن ہے اسلامی تہذیب کا ارتقا یافتہ ماحصل ہے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ یونانی علم ودانش کے اس عربی ایڈیشن سے جس کا نام مسلم علم کلام ہے قرآن کی حکمت کا کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اس یونانی تہذیب کی ارتقایافتہ صورت ہے جو اسلام کے گملے میں تطبیق کنندوں نے کاشت کی اور جس کی اسلام میں جڑیں کبھی مضبوطی نہ پکڑ سکیں۔ تطبیق کے ساتھ ساتھ موافقتوں کی تلاش کا ایک دھندا شروع ہوا۔ جو تطبیق پذیری سے کم مضحکہ خیز نہ تھا اس میں ہم یونانی، یہودی اور عیسائی علم کلام سے قرآن کی تعلیم اور فکریات کی موافقتیں تلاش کر کے خوش ہوتے ہیں اور تطبیق اور تاویل سے ہم قرآن کی حکمت کو یونانی فکر ودانش سے ہم آہنگ کرتے ہیں۔ کام دونوں ہی کے ایک جیسے ہیں دونوں کا مقصد ایک ہی ہے دونوں کند چھریاں ہیں تاکہ وہ قرآن کے احکامات، اعتقادات اور تصورات پر چلا کر انہیں یونانی حکمت و دانش کے سانچوں میں ڈھال کر مسلمانوں کے لئے مرغوب بنا سکیں۔

صدحیف اس پر جبریوں، معتزلیوں اور الکندی، الفارابی، ابن عربی، ابن سینا سے جس تطبیق کے مرض کا آغاز ہوا تھا وہ رکا نہیں۔ عصر جدید میں یہ آلہ سرسید احمد خان نے اٹھالیا۔ اور معتقدات قرآنی اور تصورات قرآنی کی ایسی ایسی تعبیرات اس تطبیق سے سامنے آئیں کہ لوگ چیخ اٹھے۔ (جاری ہے)

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی
خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی